

توسیع و ترقی کے ابھی پورے امکانات موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اس پر خوف و ہراس طاری ہے۔

آج بدقسمتی سے قوموں کو زندہ رکھنے اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے سولے ٹھے خوف اور نفرت کے اور کوئی محرک نہیں رہا۔ چنانچہ قومی رہنما نفرت اور خوف کے ذریعہ ہی اپنی قوم کے جذبات برانگیختہ کرتے ہیں اور اس کے اندر مصنوعی ہیجان اور اشتعال پیدا کر کے اُسے عمل پر ابھارتے ہیں۔ پروفیسر جوڈ نے اس حقیقت کا ٹرے و آشکاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے وہ کہتا ہے :-

”وہ مشترک جذبات جنہیں آسانی سے برانگیختہ کیا جاسکتا ہے اور جو جھوٹی بڑی بڑی جماعتوں کو حرکت میں لاسکتے ہیں وہ رحم، فیاضی، اور محبت کے جذبات نہیں بلکہ نفرت اور خوف کے جذبات ہیں... جو لوگ کسی قوم پر کسی مقصد کے لیے حکمرانی کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اس کے لیے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کر لیں جس سے وہ نفرت کرے اور اس کے لیے کوئی ایسی شخصیت یا قوم نہ پیدا کر لیں جن سے وہ خوف زدہ ہو۔ اگر میں فی الحقیقت دنیا کی مختلف قوموں کو متحد کرنے کا آرزو ہوں تو مجھے کسی دوسرے سیارے پر کوئی دشمن تیار کرنا ہوگا۔ مثلاً چاند پر جس سے یہ سب قومیں ڈریں۔ اس بنا پر یہ قطعاً حیرت کی بات نہیں کہ اس زمانہ کی قومی حکومتیں اپنی ہمسایہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نفرت اور خوف کو ہی اپنا رہنما بناتی ہیں۔ انہیں جذبات پر ان سلطنتوں کے حکمرانوں کی ترقی کا دار و مدار ہے اور یہی خوف و نفرت قومی اتحاد کی اساس بھی ہے۔“

ہوئے شمرکویں میں کوئی اُن کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے ان شمرکویں کے منکر ہو جائیں گے۔
جس روز وہ ساعت برپا ہوگی، اس دن (سب انسان) الگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔

جنہوں نے خدا سے بغاوت کی ہے، اس کے رسولوں کی تعلیم و ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے،
آخرت کی جواب دہی کے منکر یا اس سے بے فکر رہے ہیں، اور دنیا میں خدا کے بجائے دوسروں
کی یا اپنے نفس کی بندگی کرتے رہے ہیں، خواہ اس بنیادی گمراہ کے ساتھ انہوں نے وہ اعمال کیے
ہوں یا نہ کیے ہوں جنہیں عرف عام میں جرائم کہا جاتا ہے۔ فرید براں اس میں وہ لوگ بھی شامل
ہیں جنہوں نے خدا کو مان کر، اس کے رسولوں پر ایمان لاکر، آخرت کا اقرار کر کے پھر واپس اپنے رب
کی نافرمانیاں کی ہیں اور آخر وقت تک اپنی اس باغیانہ روش پر ڈٹے رہے ہیں۔ یہ لوگ جب اپنی توقعات
کے بالکل خلاف عالم آخرت میں یکایک جی اٹھیں گے اور دکھیں گے کہ یہاں تو واقعی وہ دوسری زندگی پیش
آگئی ہے جس کا انکار کر کے یا جسے نظر انداز کر کے وہ دنیا میں کام کرتے رہے تھے، تو ان کے حواس باختہ
ہو جائیں گے اور وہ کیفیت ان پر طاری ہوگی جس کا نقشہ یٰسٰیٰ اَلْمُجْرِمُوْنَ کے الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔
لٰہ شُرکاءَ کَا اِطْلَاقِ تَمِّنِ قَسَمِ کِی مَسْتَبِیْنَ پَر ہوتا ہے۔ ایک، ملائکہ، انبیاء، اولیاء اور شہداء و
صالحین جن کو مختلف زمانوں میں مشرکین نے خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دیکر ان کے آگے
مراسم عبودیت انجام دیئے ہیں۔ وہ قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ تم یہ سب کچھ ہماری مرضی کے
بغیر، بلکہ ہماری تعلیم و ہدایت کے مراسم خلاف کرتے رہے ہو، اس لیے ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں
ہم سے کوئی امید نہ رکھو کہ ہم تمہاری شفاعت کے لیے خدا سے بزرگ کے سامنے کچھ عرض معروض کریں گے
دوسری قسم اُن اشیاء کی ہے جو بے شعور یا بے جان ہیں، جیسے چاند، سورج، تیارے، درخت، پتھر
اور حیوانات وغیرہ۔ مشرکین نے ان کو خدا بنایا اور ان کی پرستش کی اور ان سے دعائیں مانگیں، مگر وہ
بے چارے بے خبر ہیں کہ اللہ میاں کے خلیفہ صاحب یہ ساری نیاز مندیاں اُن کے لیے وقف فرما
رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی وہاں ان کی شفاعت کے لیے آگے بڑھنے والا نہ ہوگا۔
تیسری قسم اُن اکابر مجربین کی ہے جنہوں نے خود کو شمش کر کے، مکر و فریب سے کام لیکر، جھوٹ کے جال

پھیلا کر، باطاقت استعمال کر کے دنیا میں خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائی، مثلاً شیطان، جھوٹے مذہبی پیشوا، اور ظالم و جاہر حکمران وغیرہ۔ یہ وہاں خود گرفتار بلا ہوں گے، اپنے ان بندوں کی سفارش کے لیے آگے بڑھنا تو درکنار، ان کی تواریح کو شش یہ ہوگی کہ اپنے نامہ اعمال کا بوجھ بھکا کریں اور داور محشر کے حضور یہ ثابت کر دیں کہ یہ لوگ اپنے جرائم کے خود ذمہ دار ہیں، ان کی مگر اسی کا وبال ہم پر نہیں پڑنا چاہیے۔ اس طرح مشرکین کو وہاں کسی طرف سے بھی کوئی شفاعت بہم نہ پہنچے گی۔

۱۱۔ یعنی اُس وقت یہ مشرکین خود اس بات کا اقرار کریں گے کہ ہم ان کو خدا کا شریک ٹھہرانے میں غلطی پر تھے۔ ان پر یہ حقیقت کھل جائیگی کہ فی الواقع ان میں سے کسی کا بھی خدائی میں کوئی حصہ نہیں ہے، اس لیے جس شرک پر آج وہ دنیا میں اصرار کر رہے ہیں، اسی کا وہ آخرت میں انکار کریں گے۔

۱۲۔ یعنی دنیا کی وہ تمام جتنہ بندیاں جو آج قوم، نسل، وطن، زبان، قبیلہ و برادری، اور معاشی و سیاسی مفادات کی بنیاد پر بنی ہوئی ہیں، اُس روز ٹوٹ جائیں گی، اور خالص عقیدے اور اخلاق و کردار کی بنیاد پر نئے سرے سے ایک دوسری گروہ بندی ہوگی۔ ایک طرف نوع انسانی کی تمام اگلی پچھلی قوموں میں سے مومن و صالح انسان الگ چھانٹ لیے جائیں گے اور ان سب کا ایک گروہ ہوگا۔ دوسری طرف ایک ایک قسم کے گمراہانہ نظریات و عقائد رکھنے والے، اور ایک ایک قسم کے جرائم پیشہ لوگ اس عظیم الشان انسانی پھیتر میں سے چھانٹ چھانٹ کر الگ نکل لیں گے اور ان کے الگ الگ گروہ بن جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام جس چیز کو اس دنیا میں تفریق اور اجتماع کی حقیقی بنیاد قرار دیتا ہے اور جسے جاہلیت کے پرتا رہاں ماننے سے انکار کرتے ہیں، آخرت میں اسی بنیاد پر تفریق بھی ہوگی اور اجتماع بھی۔ اسلام کہتا ہے کہ انسانوں کو کاٹنے اور جوڑنے والی اصل چیز عقیدہ اور اخلاق ہے۔ ایمان لانے والے اور خدائی ہدایت پر نظام زندگی کی بنیاد رکھنے والے ایک امت ہیں، خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے سے تعلق رکھتے ہوں، اور کفر و فسق کی راہ اختیار کرنے والے ایک دوسری امت ہیں، خواہ ان کا تعلق کسی نسل و وطن سے ہو۔ ان دونوں کی قومیت ایک نہیں ہو سکتی۔ یہ نہ دنیا میں ایک مشترک راہ زندگی بنا کر ایک ساتھ چل سکتے ہیں

جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایک باغ میں شامل فرمائیں
رکھے جائیں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو

اور آخرت میں ان کا انجام ایک ہو سکتا ہے۔ دنیا سے آخرت تک ان کی راہ اور منزل ایک دوسرے
سے الگ ہے۔ جاہلیت کے پرستار اس کے برعکس ہر زمانے میں اصرار کرتے رہے ہیں اور آج بھی اسی
بات پر مصر ہیں کہ جتھے بندی نسل اور وطن اور زبان کی بنیادوں پر ہونی چاہیے، ان بنیادوں کے لحاظ سے
جو لوگ مشترک ہوں انہیں بلا لحاظ مذہب و عقیدہ ایک قوم بن کر دوسری ایسی ہی قوموں کے مقابلے
میں متحد ہونا چاہیے، اور اس قومیت کا ایک ایسا نظام زندگی ہونا چاہیے جس میں توحید اور شرک
اور دہریہ کے معتقدین سب ایک ساتھ مل کر چل سکیں یہی تخیل ابو جہل اور ابو لہب اور سزاوار
قریش کا تھا، جب وہ بار بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام رکھتے تھے کہ اس شخص نے اگر ہماری قوم میں
تفرقہ ڈال دیا ہے۔ اسی پر قرآن مجید یہاں متنبہ کر رہا ہے کہ تمہاری یہ تمام جتھے بندیاں جو تم نے اس دنیا
میں غلط بنیادوں پر رکھی ہیں آخر کار ٹوٹ جائیں گی، اور نوح انسانی میں مستقل تفریق اسی عقیدے
اور نظریہ حیات اور اخلاق و کردار کی بنیاد پر ہونے والی ہے جس پر اسلام دنیا کی اس زندگی میں کرنا
چاہتا ہے جن لوگوں کی منزل ایک نہیں ہے ان کی راہ زندگی آخر کیسے ایک ہو سکتی ہے۔

۱۹ "ایک باغ" کا لفظ یہاں اس باغ کی عظمت و شان کا تصور دلانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔
عربی زبان کی طرح اردو میں بھی یہ انداز بیان اس غرض کے لیے معروف ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کو ایک
بڑا اہم کام کرنے کو کہے اور اس کے ساتھ یہ کہے کہ تم نے یہ کام اگر کر دیا تو میں تمہیں ایک چیز دوں گا، تو
اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ چیز عدد کے لحاظ سے ایک ہوگی، بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے
کہ اس کے انعام میں تم کو ایک بڑی قیمتی چیز دوں گا جسے پا کر تم نہال ہو جاؤ گے۔

۲۰ "اصل میں لفظ تَجْنِبُونَ استعمال ہوا ہے جس کے مفہوم میں مسرت، لذت، شان و شوکت
اور تکریم کے تصورات شامل ہیں یعنی وہاں وہ بڑی عزت کے ساتھ رکھے جائیں گے، خوش و غرم رہیں گے۔
اور ہر طرح کی لذتوں سے شاد کام ہوں گے۔

جھٹلایا ہے وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے۔

پس تسبیح کرو اللہ کی جبکہ تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے حمد ہے۔ اور تسبیح کرو اس کی تیسرے پہر اور جبکہ تم پر ظہر کا وقت آتا

۱۱۵ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایمان کے ساتھ تو عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ شاندار انجام نصیب ہوگا، لیکن کفر کا انجام بد بیان کرتے ہوئے عمل بد کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفر بجائے خود آدمی کے انجام کو خراب کر دینے کے لیے کافی ہے خواہ عمل کی خرابی اس کے ساتھ شامل ہو یا نہ ہو۔

۱۱۶ پس اس معنی میں ہے کہ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان و عمل صالح کا انجام وہ کچھ اور کفر و نسیب کا انجام یہ کچھ ہے تو تمہیں یہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ نیز یہ پس اس معنی میں بھی ہے کہ مشرکین و کفار حیاتِ اخروی کو ناممکن قرار دے کر اللہ تعالیٰ کو دراصل عاجز و درماندہ قرار دے رہے ہیں۔ لہذا تم اس کے مقابلہ میں اللہ کی تسبیح کرو اور اس کمزوری سے اس کے پاک ہونے کا اعلان کرو۔

۱۱۷ اللہ کی تسبیح کرنے سے مراد ان تمام عیوب اور نقائص اور کمزوریوں سے، جو مشرکین اپنے شرک اور انکارِ آخرت سے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس ذاتِ بے ہمتا کے پاک اور منزہ سمجھنے

کا اعلان و اظہار کرنا ہے۔ اس اعلان و اظہار کی بہترین صورت نماز ہے۔ اسی بنا پر ابن عباس مجاہد قتادہ، ابن زید اور دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں تسبیح کرنے سے مراد نماز پڑھنا ہے۔ اس تفسیر کے حق میں یہ صریح قرینہ خود اس آیت میں موجود ہے کہ اللہ کی پاکی بیان کرنے کے لیے اس میں چند خاص اوقات مقرر کیے گئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اگر محض یہ عقیدہ رکھنا مقصود ہو کہ اللہ تمام عیوب و

نقائص سے منزہ ہے، تو اس کے لیے صبح و شام اور ظہر و عصر کے اوقات کی پابندی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عقیدہ تو مسلمان کو ہر وقت رکھنا چاہیے۔ اسی طرح اگر محض زبان سے اللہ کی پاکی کا اظہار مقصود ہو، تب بھی ان اوقات کی تخصیص کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ یہ اظہار تو مسلمان کو ہر موقع پر کرنا چاہیے۔ اس لیے اوقات کی پابندی کے ساتھ تسبیح کرنے کا حکم لا محالہ اس کی ایک خاص عملی صورت ہی کی طرف

ہے۔ وہ زندہ میں سے مردے کو نکالتا ہے اور مردے میں سے زندہ کو نکال لیتا ہے
اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ عملی صورت نماز کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

مکملہ اس آیت میں نماز کے چار اوقات کی طرف صاف اشارہ ہے: فجر، مغرب، عصر اور
ظہر۔ اس کے علاوہ مزید اشارات جو قرآن مجید میں اوقات نماز کی طرف کیے گئے ہیں، حسب ذیل ہیں:
نماز قائم کرو آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات
کی تاریکی تک، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا
اہتمام کرو۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُنُوبِكِ الشَّمْسِ إِلَى
غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ (سجۃ ۷۸)

اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور
کچھ رات گزرنے پر۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا
مِنَ اللَّيْلِ (سجۃ ۱۱۴)

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو
سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے
سے پہلے، اور رات کی کچھ گھڑیوں میں پھر تسبیح
کرو، اور دن کے کناروں پر۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ أَنَاثِ
اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ
(رعدہ - آیت ۱۳۰)

ان میں سے پہلی آیت بتاتی ہے کہ نماز کے اوقات زوالِ آفتاب کے بعد سے عشاء تک ہیں
اور اس کے بعد فجر کا وقت ہے۔ دوسری آیت میں دن کے دونوں سروں سے مراد صبح اور
مغرب کے اوقات ہیں اور کچھ رات گزرنے پر سے مراد عشاء کا وقت۔ تیسری آیت میں قبل طلوع
آفتاب سے مراد فجر اور قبل غروب سے مراد عصر۔ رات کی گھڑیوں میں مغرب اور عشاء دونوں شامل
ہیں۔ اور دن کے کنارے تین ہیں، ایک صبح، دوسرے زوالِ آفتاب، تیسرے مغرب۔ اس
طرح قرآن مجید مختلف مقامات پر نماز کے اُن پانچوں اوقات کی طرف اشارہ کرتا ہے جن پر آج
دنیا بھر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ محض ان آیات کو پڑھ کر کوئی شخص بھی اوقات
نماز متعین نہ کر سکتا تھا جب تک کہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے معلم قرآن، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود

اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشا ہے، اسی طرح تم لوگ بھی (حالتِ موت سے) اپنے قول اور عمل سے اُن کی طرف رہنمائی نہ فرماتے۔

یہاں ذرا تھوڑی دیر ٹھیکر کر منکرینِ حدیث کی اس جسارت پر غور کیجیے کہ وہ "نماز پڑھنے" کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز جو آج مسلمان پڑھ رہے ہیں یہ سرے سے وہ چیز ہی نہیں ہے جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ اُن کا ارشاد ہے کہ قرآن تو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیتا ہے، اور اس سے مراد نماز پڑھنا نہیں بلکہ یہ نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہے۔ اب ذرا ان سے پوچھیے کہ وہ کونسا زوالا نظامِ ربوبیت ہے جسے یا تو طلوعِ آفتاب سے پہلے قائم کیا جاسکتا ہے یا پھر زوالِ آفتاب کے بعد سے کچھ رات گزرنے تک؟ اور وہ کونسا نظامِ ربوبیت ہے جو خاص جمعہ کے دن قائم کیا جانا مطلوب ہے؟ (وَإِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ) اور نظامِ ربوبیت کی آخر وہ کونسی خاص قسم ہے کہ اسے قائم کرنے کے لیے جب آدمی کھڑا ہو تو پہلے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لے۔ اور سر پر مسح کر لے ورنہ وہ اسے قائم نہیں کر سکتا؟ (وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ...) اور نظامِ ربوبیت کے اندر آخر یہ کیا خصوصیت ہے کہ اگر آدمی حالتِ جاہلیت میں ہو تو جب تک وہ غسل نہ کر لے اسے قائم نہیں کر سکتا؟ (وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا)۔ اور یہ کیا معاملہ ہے کہ اگر آدمی عورت کو چھو بیٹھا ہو اور پانی نہ ملے تو اس عجیب و غریب نظامِ ربوبیت کو قائم کرنے کے لیے اُسے پاک مٹی پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور منہ پر ملنا ہوگا؟ (وَالْمَسْتَمِرَّةُ إِذَا مَا أَقْبَضَتْ عَصِيهَا فَاتْلُوا مَا تَصَدَّقَ) اور یہ کیسا عجیب نظامِ ربوبیت ہے کہ اگر سفر پیش آجائے تو آدمی اسے پورا قائم کرنے کے بجائے آدھا ہی قائم کر لے؟ (وَإِذَا خَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ)۔ پھر یہ کیا لطیفہ ہے کہ اگر جنگ کی حالت ہو تو فوراً کے آدھے سپاہی تھپا لیے ہوئے امام کے پیچھے یہ نظامِ ربوبیت قائم کرتے رہیں اور آدھے دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہیں

نکال لیے جاؤ گے ع

اس کے بعد جب پہلا گروہ امام کے پیچھے نظام ربوبیت قائم کرتے ہوئے ایک سجدہ کرے تو وہ اٹھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے چلا جائے، اور دوسرا گروہ اس کی جگہ آکر امام کے پیچھے اس نظام ربوبیت کو قائم کرنا شروع کرے۔ وَإِذْ أَنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَأَتَّقِمُنَّ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَيَا خُذُوا اسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا عَلَيْنَا مَوْثُونَ وَرَأَيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ خُذُوا أَمْثَلَكُمْ وَأَخْرَجُوا مِنْكُمْ طَائِفَةً لَمْ يَلْمِزُوا قَلْبِيصَلُّوا مَعَكَ (قرآن مجید کی یہ ساری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ اقامتِ صلوة سے مراد وہی نماز قائم کرنا ہے جو مسلمان دنیا بھر میں پڑھ رہے ہیں، لیکن منکرینِ حدیث ہیں کہ خود بدلنے کے بجائے قرآن کو بدلنے پر اصرار کیسے چلے جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جیت تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بالکل ہی بے باک نہ ہو جائے وہ اس کے کلام کے ساتھ یہ مذاق نہیں کر سکتا جو یہ حضرات کر رہے ہیں یا پھر قرآن کے ساتھ یہ کھیل وہ شخص کھیل سکتا ہے جو اپنے دل میں اسے اللہ کا کلام نہ سمجھتا ہو اور محض دھوکا دینے کے لیے قرآن قرآن پکار کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔

۵۱۔ یعنی جو خدا ہر آن تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ کام کر رہا ہے وہ آخر انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے سے عاجز کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ہر وقت زندہ انسانوں اور حیوانات میں سے فضلات (WASTE MATTER) خارج کر رہا ہے جن کے اندر زندگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ ہر لمحہ بے جان مادے (DEAD MATTER) کے اندر زندگی کی روح پھونک کر بے شمار جیتے جاگتے حیوانات، نباتات اور انسان وجود میں لا رہا ہے، حالانکہ بجائے خود ان مادوں میں جن سے ان زندہ ہستیوں کے جسم مرتب ہوتے ہیں، قطعاً کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ وہ ہر آن یہ نظر تمہیں دکھا رہا ہے کہ نجر پڑی ہوئی زمین کو جہاں پانی میسر آیا اور یکایک وہ حیوانی اور نباتی زندگی کے خزانے اکٹلا شروع کر دیتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کا رخا نہ ہستی کو چلانے والا خدا انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز ہے تو حقیقت میں وہ عقل کا اندھا ہے۔ اس کے سر کی آنکھیں جن ظاہری مناظر کو دکھتی ہیں، اس کی عقل کی آنکھیں ان کے اندر نظر آنے والے

اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر لکھا تم بشر ہو
کہ (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو۔

روشن خقائق کو نہیں دیکھتیں۔

۲۶ خبردار رہنا چاہیے کہ یہاں سے تیسرے رکوع کے خاتمہ تک اللہ تعالیٰ کی جو نشانیاں بیان
کی جا رہی ہیں وہ ایک طرف تو اوپر کے سلسلہ کلام کی مناسبت سے حیاتِ اخروی کے امکان و وقوع
پر دلالت کرتی ہیں، اور دوسری طرف یہی نشانیاں اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ یہ کائنات نہ خدا
ہے اور نہ اس کے بہت سے خدا ہیں، بلکہ صرف ایک خدا اس کا تہا خالق، مدبر، مالک اور فرمانروا ہے
جس کے سوا انسانوں کا کوئی معبود نہیں ہونا چاہیے۔ (اس طرح یہ رکوع اپنے مضمون کے لحاظ سے تقریر
مابین اور تقریر مابعد، دونوں کے ساتھ مربوط ہے۔

۲۷ یعنی انسان کا مادہ تخلیق اس کے سوا کیا ہے کہ چند بے جان مادے ہیں جو زمین میں پائے
جاتے ہیں، مثلاً کچھ کاربن، کچھ کلسیم، کچھ سوڈیم اور ایسے ہی چند اور عناصر۔ انہی کو ترکیب دے کر
وہ حیرت انگیز مستی بنا کھڑی کی گئی ہے جس کا نام انسان ہے اور اس کے اندر احساسات، جذبات،
شعور، تعقل اور تخیل کی وہ عجیب قوتیں پیدا کر دی گئی ہیں جن میں سے کسی کا نفع بھی اس کے عناصر
ترکیبی میں تلاش نہیں کیا جاسکتا پھر ہی نہیں کہ ایک انسان اتفاقاً ایسا بن کھڑا ہوا ہو، بلکہ اس کے
اندروہ عجیب تولیدی قوت بھی پیدا کر دی گئی جس کی بدولت کروڑوں اور اربوں انسان وہی نسل
اور وہی صلاحیتیں لیے ہوئے بے شمار موروثی اور بے حد و حساب انفرادی خصوصیات کے حامل
نکلے چلے آ رہے ہیں۔ کیا تمہاری عقل یہ گواہی دیتی ہے کہ یہ انتہائی حکیمانہ خلقت کسی صانع حکیم کی تخلیق
کے بغیر آپسے آپ ہو گئی ہے؟ کیا تم بحالتِ ہوش و حواس یہ کہہ سکتے ہو کہ تخلیقِ انسان جیسا عظیم نشان
منصوبہ بنانا اور اس کو عمل میں لانا اور زمین و آسمان کی بے حد و حساب قوتوں کو انسانی زندگی کے
لیے سازگار کر دینا بہت سے خداؤں کی فکر و تدبیر کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا تمہارا دماغ اپنی
صحیح حالت میں ہوتا ہے تب تم یہ گمان کرتے ہو کہ جو خدا انسان کو خالص عدم سے وجود میں لایا

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا وہ اسی انسان کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟

مگر یعنی خالق کا کمالِ حکمت یہ ہے کہ اس نے انسان کی صرف ایک صنف نہیں بنائی، بلکہ اسے دو صنفوں (SEXES) کی شکل میں پیدا کیا جو انسانیت میں یکساں ہیں، جن کی بناوٹ کا بنیادی نادر مولاجی یکساں ہے، مگر دونوں ایک دوسرے سے مختلف جسمانی ساخت، مختلف ذہنی نفسی اوصاف، اور مختلف جذبات و داعیات لیکر پیدا ہوتی ہیں، اور پھر ان کے درمیان یہ حیرت انگیز مناسبت رکھ دی گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہے، ہر ایک کا جسم اور اس کے نفسیات و داعیات دوسرے کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کا مکمل جواب ہیں۔ مزید برآں وہ خالقِ حکیم ان دونوں صنفوں کے افراد کو آغازِ آفرینش سے برابر اس تناسب کے ساتھ پیدا کیے چلا جا رہا ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کی کسی قوم یا کسی خطہ زمین میں صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوئے ہوں، یا کہیں کسی قوم میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی چلی گئی ہوں۔ یہ ایسی چیز ہے جس میں کسی انسانی تدبیر کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان ذرہ برابر بھی نہ اس معاملہ میں اثر انداز ہو سکتا ہے کہ لڑکیاں مسلسل ایسی زنانہ خصوصیات اور لڑکے مسلسل ایسی مردانہ خصوصیات لیے ہوئے پیدا ہوتے رہیں جو ایک دوسرے کا ٹھیک جوڑ ہوں، اور نہ اس معاملہ ہی میں اُس کے پاس اثر انداز ہونے کا کوئی ذریعہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی پیدائش اس طرح مسلسل ایک تناسب کے ساتھ ہوتی چلی جائے پھر ہر سال سے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی پیدائش میں اس تدبیر و انتظام کا اتنے مناسب طریقے سے پیہم جاری رہنا اتفاقاً بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ بہت سے خداؤں کی مشترک تدبیر کا نتیجہ بھی نہیں ہو سکتا یہ چیز صرف اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ایک خالقِ حکیم، اور ایک ہی خالقِ حکیم نے اپنی غالب حکمت و قدرت سے ابتداً مرد اور عورت کا ایک موزوں ترین ڈیزائن بنایا، پھر اس بات کا انتظام کیا کہ اس ڈیزائن کے مطابق بے حد و حساب مرد اور بے حد و حساب عورتیں اپنی الگ الگ انفرادی خصوصیات

کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

یہ ہونے دنیا بھر میں ایک تناسب کے ساتھ پیدا ہوں۔

۱۹۷۹ یعنی یہ انتظام الٹ ٹپ نہیں ہو گیا ہے بلکہ بنانے والے نے بالارادہ اس غرض کے لیے یہ انتظام کیا ہے کہ مرد اپنی فطرت کے تقاضے عورت کے پاس، اور عورت اپنی فطرت کی مانگ مرد کے پاس پاتے، اور دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہو کر یہ سکون و اطمینان حاصل کریں یہی وہ حکیمانہ تدبیر ہے جسے خالق نے ایک طرف انسانی نسل کے برقرار رہنے کا، اور دوسری طرف انسانی تہذیب و تمدن کو وجود میں لانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر یہ دونوں صنفیں محض الگ الگ ڈیزائنوں کے ساتھ پیدا کر دی جاتیں اور ان میں وہ اضطراب نہ رکھ دیا جاتا جو ان کے باہمی اتصال و وابستگی کے بغیر تبدیل سکون نہیں ہو سکتا، تو انسانی نسل تو ممکن ہے کہ بھیر بکریوں کی طرح چل جاتی۔ لیکن کسی تہذیب و تمدن کے وجود میں آنے کا کوئی امکان و تھا۔ تمام انواع حیوانی کے برعکس نوع انسانی میں تہذیب و تمدن کے رونما ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ خالق نے اپنی حکمت سے مرد اور عورت میں ایک دوسرے کے لیے وہ مانگ، وہ پیاس، وہ اضطراب کی کیفیت رکھ دی جسے سکون میسر نہیں آتا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جڑ کر نہ رہیں۔ یہی سکون کی طلب ہے جس نے انہیں مل کر گھر بنانے پر مجبور کیا۔ اسی کی بدولت خاندان اور قبیلے وجود میں آئے۔ اور اسی کی بدولت انسان کی زندگی میں تمدن کا نشرو نما ہوا اس نشوونما میں انسان کی ذہنی صلاحیتیں مددگار ضرور ہوتی ہیں مگر وہ اس کی پہلی محرک نہیں ہیں۔ اصل محرک یہی اضطراب ہے جسے مرد و عورت کے وجود میں ودیعت کر کے انہیں ”گھر“ کی تاسیس پر مجبور کر دیا گیا۔ کون صاحب عقل یہ سوچ سکتا ہے کہ وراثی کا یہ شاہکار فطرت کی اندھی طاقتوں سے محض اتفاقاً سرزد ہو گیا ہے؟ یا بہت سے خدا یہ انتظام کر سکتے تھے کہ اس گہرے حکیمانہ مقصد کو ملحوظ رکھ کر ہزار ہا برس سے مسلسل بے شمار مردوں اور بے شمار عورتوں کو یہ خاص اضطراب لیے ہوئے پیدا کرتے چلے جائیں؟ یہ تو ایک حکیم اور ایک ہی حکیم کی حکمت کا صریح نشان ہے جسے صرف عقل کے اندھے ہی دیکھنے سے انکار کر سکتے ہیں۔

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور

تلقہ محبت سے مراد یہاں جنسی محبت (SEXUAL LOVE) ہے جو مرد اور عورت کے اندر جذبہ کشش کی ابتدائی محرک بنتی ہے اور پھر انہیں ایک دوسرے سے چسپاں کیے رکھتی ہے اور محبت سے مراد وہ روحانی تعلق ہے جو ازدواجی زندگی میں بتدریج ابھرتا ہے، جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد و غم خوار اور شریک رنج و راحت بن جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب جنسی محبت پیچھے جا پڑتی ہے اور بڑھ چلے میں یہ جیون ساتھی کچھ جوانی سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے حق میں رحیم و شفیق ثابت ہوتے ہیں۔ یہ دو مثبت طاقتیں ہیں جو خالق نے اُس ابتدائی اضطراب کی مدد کے لیے انسان کے اندر پیدا کی ہیں جس کا ذکر اوپر گزرا ہے۔ وہ اضطراب تو صرف سکون چاہتا ہے اور اس کی تلاش میں مرد و عورت کو ایک دوسرے کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ دو طاقتیں آگے بڑھ کر ان کے درمیان مستقل رفاقت کا ایسا رشتہ جوڑ دیتی ہیں جو دو انگ ماحولوں میں پرورش پائے ہوئے اجنبیوں کو ملا کر کچھ اس طرح پیوستہ کرتا ہے کہ عمر بھر وہ زندگی کے منہ چار میں اپنی کشتی ایک ساتھ کھینچتے رہتے ہیں مگر ہر ہے کہ یہ محبت و رحمت جس کا تجربہ کروڑوں انسانوں کو اپنی زندگی میں ہو رہا ہے، کوئی مادی چیز نہیں ہے جو وزن اور پیمائش میں آسکے، نہ انسانی جسم کے عناصر ترکیبی میں کہیں اس کے سرچشمے کی نشان دہی کی جاسکتی ہے، نہ کسی عیب یا رٹری میں اس کی پیدائش اور اس کے نشوونما کے اسباب کا کھوج لگایا جاسکتا ہے۔ اس کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ ایک خالق حکیم نے بالارادہ ایک مقصد کے لیے پوری مناسبت کے ساتھ اسے نفس انسانی میں ولایت کر دیا ہے۔

اسی یعنی اُن کا عدم سے وجود میں آنا، اور ایک اُٹل ضابطے پران کا قائم ہونا، اور بے شمار قوتوں کا ان کے اندر انتہائی تناسب و توازن کے ساتھ کام کرنا، اپنے اندر اس بات کی بہت سی نشانیاں رکھتا ہے کہ اس پوری کائنات کو ایک خالق اور ایک ہی خالق وجود میں لایا ہے، اور وہی اس عظیم الشان نظام کی تدبیر کر رہا ہے۔ ایک طرف اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ وہ ابتدائی قوت (ENERGY) کہاں سے

تہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے آئی جس نے مادے کی شکل اختیار کی، پھر اسے کے یہ بہت سے عناصر کیسے بنے، پھر ان عناصر کی اس قدر حکیمانہ ترکیب اتنی حیرت انگیز مہارتوں کے ساتھ یہ مدہوش کن نظام عالم کیسے بن گیا، اور اب یہ نظام کدوڑا کدوڑا صدیوں سے کس طرح ایک زبردست قانونِ فطرت کی بندش میں کسا ہوا چل رہا ہے، تو ہر غیر متعصب عقل اس نتیجے پر پہنچے گی کہ یہ سب کچھ کسی علم و حکیم کے غالب ارادے کے بغیر محض بخت و اتفاق کے نتیجے میں نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری طرف اگر یہ دیکھا جائے کہ زمین سے لیکر کائنات کے بعد ترین سیاروں تک سب ایک ہی طرح کے عناصر سے مرکب ہیں اور ایک ہی قانونِ فطرت ان میں کار فرما ہے تو ہر عقل جو ہٹ دھرم نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ تسلیم کرے گی کہ یہ سب کچھ بہت سے خداؤں کی خدائی کا کثرتمہ نہیں ہے بلکہ ایک ہی خدا اس پوری کائنات کا خالق اور رب ہے۔

۳۲ یعنی باوجودیکہ تہارے خواہے لفظیہ کیسا ہی ہیں، نہ منہ اور زبان کی ساخت میں کوئی فرق ہے اور نہ دماغ کی ساخت میں، مگر زمین کے مختلف خطوں میں تہاری زبانیں مختلف ہیں، پھر ایک ہی زبان بولنے والے علاقوں میں شہر شہر اور بستی بستی کی بولیاں مختلف ہیں، اور مزید یہ کہ ہر شخص کا لہجہ اور تلفظ اور طرزِ گفتگو دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح تہارا مادہ تخلیق اور تہاری بناوٹ کا خارولا ایک ہی ہے، مگر تہارے رنگ اس قدر مختلف ہیں کہ قوم اور قوم تو درکنار، ایک ماں باپ کے دو بیٹوں کا رنگ بھی بالکل یکساں نہیں ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف دو ہی چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ لیکن اسی رخ پر آگے بڑھ کر دیکھیے تو دنیا میں آپ ہر طرف اتنا تنوع (VARIETY) پائیں گے کہ اس کا احاطہ مشکل ہو جائے گا۔ انسان، حیران، نباتات اور دوسری تمام اشیاء کی جس نوع کو بھی آپ لے لیں اس کے افراد میں بنیادی کیسانی کے باوجود بے شمار اختلافات موجود ہیں، حتیٰ کہ کسی نوع کا بھی کوئی ایک فرد دوسرے سے بالکل مشابہ نہیں ہے، حتیٰ کہ ایک درخت کے دو پتوں میں بھی پوری مشابہت نہیں پائی جاتی یہ چیز صاف بتا رہی ہے کہ یہ دنیا کوئی ایسا کارخانہ نہیں ہے جس میں خود کار مشینیں چل رہی ہوں اور کثیر پیداوری (MASS PRODUCTION) کے طریقے پر ہر قسم کی اشیاء کا بس ایک ایک ٹھپہ ہو

اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو دُور سے (منشئہ میں)

جس سے ڈھل ڈھل کر ایک ہی طرح کی چیزیں نکلتی چلی آرہی ہوں۔ بلکہ یہاں ایک ایسا زبردست کاریگر کام کر رہا ہے جو ہر ہر چیز کو پوری انفرادی توجہ کے ساتھ ایک نئے ڈیزائن، نئے نقش و نگار، نئے تناسب اور نئے اوصاف کے ساتھ بناتا ہے اور اس کی بنائی ہوئی ہر چیز اپنی جگہ منفرد ہے۔ اس کی قوت ایجاد ہر آن ہر چیز کا ایک نیا ماڈل نکال رہی ہے، اور اس کی صلاحی ایک ڈیزائن کو دوسری مرتبہ دہرانا اپنے کمال کی توجہ سے سمجھتی ہے۔ اس حیرت انگیز منظر کو جو شخص بھی آنکھیں کھول کر دیکھے گا وہ کبھی اس احمقانہ تصور میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک دفعہ اس کارخانے کو چلا کر کہیں جا سویا ہے۔ یہ تو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ ہر وقت کارِ تخلیق میں لگا ہوا ہے اور اپنی خلق کی ایک ایک چیز پر انفرادی توجہ صرف کر رہا ہے۔

۳۳۳ فضل کو تلاش کرنے سے مراد رزق کی تلاش میں دُور دھوپ کرنا ہے۔ انسان اگرچہ باہموم رات کو سوتا اور دن کو اپنی معاش کے لیے جدوجہد کرتا ہے، لیکن یہ کلیہ نہیں ہے۔ بہت انسان دن کو بھی سوتے اور رات کو بھی معاش کے لیے کام کرتے ہیں۔ اسی لیے رات اور دن کا اکٹھا ذکر کیے فرمایا کہ ان دونوں اوقات میں تم سوتے بھی ہو اور اپنی معاش کے لیے دُور دھوپ بھی کرتے ہو۔ یہ چیز بھی ان نشانیوں میں سے ہے جو ایک خالقِ حکیم کی تدبیر کا پتہ دیتی ہیں۔ بلکہ فرید پر ان یہ چیز اس بات کی نشان دہی بھی کرتی ہے کہ وہ محض خالق ہی نہیں ہے بلکہ اپنی مخلوق پر غایت درجہ رحیم و شفیق اور اس کی ضروریات اور مصلحتوں کے لیے خود اس سے بڑھ کر فکر کرنے والا ہے۔ انسان دنیا میں مسلسل محنت نہیں کر سکتا بلکہ ہر چند گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے چند گھنٹوں کے لیے آرام درکار ہوتا ہے تاکہ پھر چند گھنٹے محنت کرنے کے لیے اسے قوتِ ہم پہنچ جائے۔ اس غرض کے لیے خالقِ حکیم و رحیم نے انسان کے اندر صرف تھکن کا احساس، اور صرف آرام کی خواہش پیدا کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے "نیند" کا ایک ایسا زبردست داعیہ اس کے وجود میں رکھ دیا جو اس کے ارادے کے

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طبع کے ساتھ بھی۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی بغیر حتیٰ کہ اس کی مزاحمت کے باوجود، خود بخود ہر چند گھنٹوں کی بیداری و محنت کے بعد اُسے اُدبوت چاہے اور چند گھنٹے آرام لینے پر اس کو مجبور کر دیتا ہے۔ اس نمیند کی ماہیت و کیفیت اور اس کے تحقیقی اسباب کو آج تک انسان نہیں سمجھ سکا ہے۔ یہ قطعاً ایک پیدائشی داعیہ ہے جو آدمی کی فطرت اور اس کی ساخت میں رکھ دیا گیا ہے۔ وہ صرف اس بات کی شہادت ہے رہا ہے کہ اس کے رکھ دینے میں ایک بڑی حکمت و مصلحت اور مقصدیت کارفرما ہے۔ اور وہ اس بات پر بھی گواہ ہے کہ جس نے یہ چیز انسان کے اندر رکھی ہے وہ اُس کے حق میں خود اس سے بڑھ کر خیر خواہ ہے، ورنہ انسان بالارادہ نمیند کی مزاحمت کر کے اور زبردستی جاگ جاگ کر اور مسلسل کام کر کے اپنی قوت کار کو ہی نہیں، قوت حیات تک کو ختم کر ڈالتا۔

پھر رزق کی تلاش کے لیے اللہ کے فضل کی تلاش کا لفظ استعمال کر کے نشانیوں کے ایک دوسرے سلسلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آدمی آخر یہ رزق تلاش ہی کہاں کر سکتا تھا اگر زمین و آسمان کی بے حد حساب طاقتوں کو رزق کے اسباب و ذرائع پیدا کرنے میں نہ لگا دیا گیا ہوتا، اور زمین میں انسان کے لیے رزق کے بے شمار ذرائع نہ پیدا کر دیئے گئے ہوتے صرف یہی نہیں، بلکہ رزق کی یہ تلاش اور اس کا اکتساب اُس صورت میں بھی ممکن نہ ہوتا اگر انسان کو اس کام کے لیے مناسب ترین اعضاء اور مناسب ترین جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں نہ دی گئی ہوتیں۔ پس آدمی کے اندر تلاش رزق کی قابلیت اور اس کے وجود سے باہر وسائل رزق کی موجودگی صاف صاف ایک رب رحیم و کریم کے وجود کا پتہ دیتی ہے۔ جو عقل بیمار نہ ہو وہ کبھی یہ فرض نہیں کر سکتی کہ یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا ہے، یا یہ بہت سے خداؤں کی خدائی کا کرشمہ ہے، یا کوئی بے دروازہ ہی قوت اس فضل و کرم کی ذمہ دار ہے۔

۴۴ یعنی اس کی گرج اور چمک سے امید بھی بندھتی ہے کہ بارش ہوگی اور فصلیں تیار ہوں گی، مگر ساتھ ہی خوف بھی لاحق ہوتا ہے کہ کہیں بجلی نہ گر پڑے یا ایسی طوفانی بارش نہ ہو جائے جو سب کچھ بہا لے جائے۔

موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور اس کی نشانیموں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جو نہی کہ اس نے تمہیں زمین سے پکارا، پس ایک ہی پکار میں اچانک تم نکل آؤ گے۔ آسمانوں

۳۵ یہ چیز ایک طرف حیات بعد الموت کی نشاندہی کرتی ہے، اور دوسری طرف ہی پھر اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خدا ہے اور زمین و آسمان کی تدبیر کرنے والا ایک ہی خدا ہے زمین کی بے شمار مخلوقات کے رزق کا انحصار اس پیداوار پر ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ اس پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیت بار آوری پر ہے۔ اس صلاحیت کے رو بہ کار آنے کا انحصار بارش پر ہے، خواہ وہ براہ راست زمین پر برسے، یا اس کے ذخیرے سطح زمین پر جمع ہوں، یا تریز زمین چشموں اور کنوؤں کی شکل اختیار کریں یا پہاڑوں پر پہنچ بسنتہ ہو کر دریاؤں کی شکل میں بہیں پھر اس بارش کا انحصار سورج کی گرمی پر، موسموں کے رد و بدل پر، فضا کی حرارت و برودت پر، ہواؤں کی گردش پر، اور اس بجلی پر ہے جو بادلوں سے بارش برسنے کی محرک بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی میں ایک طرح کی قدرتی کھا دہی شامل کر دیتی ہے۔ زمین سے لیکر آسمان تک کی ان تمام مختلف چیزوں کے درمیان یہ ربط اور مناسبتیں قائم ہونا، پھر ان سب کا بے شمار مختلف النوع مقاصد اور مصلحتوں کے لیے صریحاً سازگار ہونا، اور ہزاروں لاکھوں برس تک ان کا پوری ہم آہنگی کے ساتھ مسلسل سازگاری کرتے چلے جانا، کیا یہ سب کچھ محض اتفاقاً ہو سکتا ہے؟ کیا یہ کسی صنایع کی حکمت اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کی غالب تدبیر کے بغیر ہو گیا ہے؟ اور کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ زمین، سورج، ہوا، پانی، حرارت، برودت، اور زمین کی مخلوقات کا خالق اور رب ایک ہی ہے؟

۳۶ یعنی صرف یہی نہیں کہ وہ اس کے حکم سے ایک دفعہ وجود میں آگئے ہیں، بلکہ ان کا مسلسل قائم رہنا اور ان کے اندر ایک عظیم الشان کارگاہ ہستی کا پیہم چلتے رہنا بھی اسی کے حکم کی بدولت ہے ایک لمحہ کے لیے بھی اگر اس کا حکم انہیں برقرار نہ رکھے تو یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم ہو جائے۔

اور زمین میں جو بھی ہیں اُس کے بندے ہیں، سب کے سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اس کی صفت سب سے بڑی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔

وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمہارے اُن غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو تمہارے دیتے ہوئے مال و دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟ — اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے

۳۷ یعنی کائنات کے خالق و مدبر کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا کوئی ایسا بڑا کام نہیں ہے کہ اسے اس کے لیے بہت بڑی تیاریاں کرنی ہونگی، بلکہ اس کی صرف ایک پکار اس کے لیے بالکل کافی ہوگی کہ آغاز آفرینش سے آج تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور آئندہ پیدا ہونگے وہ سب ایک ساتھ زمین کے ہر گوشے سے نکل کھڑے ہوں۔

۳۸ یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنا اگر اُس کے لیے مشکل نہ تھا، تو آخر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے گا۔ پہلی مرتبہ کی پیدائش میں تو تم خود جیتے جاگتے موجود ہو۔ اس لیے اس کا مشکل نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ اب یہ بالکل سیدھی سادھی عقل کی بات ہے کہ ایک دفعہ جس نے کسی چیز کو نیا یا ہوا اس کے لیے وہی چیز دوبارہ بنانا نسبتاً زیادہ ہی آسان ہونا چاہیے۔

۳۹ یہاں تک توحید اور آخرت کا بیان ملاحظہ چل رہا تھا اس میں جن نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان کے اندر توحید کے دلائل بھی ہیں اور وہی دلائل یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ آخرت کا آنا غیر ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد آگے خالص توحید پر کلام شروع ہو رہا ہے۔

۴۰ مشرکین تسلیم کرنے کے بعد کہ زمین و آسمان اور اس کی سبب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس کی مخلوقات میں سے بعض کو خدائی صفات و اختیارات میں اس کا شریک ٹھہرانے لگے، اور ان سے دعائیں مانگنے، ان کے آگے ندریں اور نیازیں پیش کرتے، اور مراسم عبودیت بجالانے لگے۔

جو عقل سے کام لیتے ہیں مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیلات کے پیچھے چل پڑے ہیں اب کون اس شخص کو راستہ دکھا سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہوگا۔ ایسے لوگوں کا تو کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

ان بناوٹی شریکیوں کے بارے میں ان کا اصل عقیدہ اُس تلبیہ کے الفاظ میں ہم کو ملتا ہے جو وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت زبان سے ادا کرتے تھے۔ وہ اس موقع پر کہتے تھے: لَبَّيْكَ اللَّهُ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمَلِّكُهُ وَمَا لَكَ (طبرانی عن ابن عباس) "میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں" تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اُس شریک کے جو تیرا اپنا ہے، تو اُس کا بھی مالک ہے اور جو کچھ اُس کی ملکیت ہے اس کا بھی تو مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اسی شریک کی تردید فرما رہا ہے۔ تمثیل کا منشا یہ ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے مال میں خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے وہ انسان جو اتفاقاً تمہاری غلامی میں آگئے ہیں، تمہارے تو شریک نہیں قرار پاسکتے، مگر تم نے یہ عجیب و صاندلی مچا رکھی ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی کائنات میں خدا کی پیدا کردہ مخلوق کو بے تکلف اس کے ساتھ خدائی کا شریک ٹھہراتے ہو۔ اس طرح کی احمقانہ باتیں سوچتے ہوئے آخر تمہاری عقل کہاں ماری جاتی ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۵۵۴-۵۵۵)

اللہ یعنی جب کوئی شخص سیدھی سیدھی عقل کی بات نہ خود سوچے اور نہ کسی کے سمجھانے سے سمجھنے کے لیے تیار ہو تو پھر اس کی عقل پر اللہ کی پھیکا ر پڑ جاتی ہے اور اس کے بعد ہر وہ چیز جو کسی منقول آدمی کو حق بتانے پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے، وہ اس ضدی جہالت پسند انسان کو الٹی مزید گرا ہی میں مبتلا کرتی چلی جاتی ہے۔ یہی کیفیت ہے جسے "بھٹکانے" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ راستی پسند انسان جب اللہ سے ہدایت کی توفیق طلب کرتا ہے تو اللہ اس کی طلب صادق کے مطابق اس کے لیے زیادہ سے زیادہ اسباب ہدایت پیدا فرمادیتا ہے۔ اور گرا ہی پسند انسان جب گمراہ ہی ہونے پر اصرار کرتا ہے تو پھر اللہ اس کے لیے وہی اسباب پیدا کرتا چلا جاتا ہے جو اسے بھٹکا کر روز بروز حق سے دور لیے چلے جاتے ہیں۔